حسنہ“ سے ان کا واسطہ رہا، انھوں نے خود بھی لکھا ہے۔

” عام تقریروں اور وعظوں کی بات دوسری ہے۔ یہ میدان میرے لئے اجنبی نہیں تھا، خاص طور پر کلکتہ کے پانچ سال کے قیام میں بے شمار وعظوں اور تقریروں سے واسطہ پڑا تھا۔“

اس کا اثر ایسا تو نہیں ہے کہ اُن کی زبان و قلم پر نہ ہو لیکن ان کی علمی ذہانت اور ترسیل و ابلاغ کے نئے تقاضوں پر اُن کی نظرداری ان کے نثری اسلوب کو بدلنے میں ایک موثر ادا کرتی نظر آتی ہے۔

ڈاکٹر عنوان چشتی نے مفتی صاحب کی ریڈیائی تقریروں کے حوالے سے جو گفتگو کی ہے وہ تقریر و تحریر کے بنیادی فرق کی وضاحت کے لیے بے حد اہم ہے۔

ان خصوصیات سے قطع نظر جو تقریر اور تحریر میں عنصر مشترک کی حیثیت رکھتی ہیں مگر دونوں میں بعض نادر و نازک اور واضح امتیازات بھی ہیں۔ تقریر کا مقصد مخاطب کے دل میں تحریک اور تشویق پیدا کرنا ہے۔ یہیں سے دونوں کی راہیں جداگانہ یا کم از کم مختلف ہونے لگتی ہیں۔“

” تقریر میں کسی نقطہ خیال یا واقعہ کی وضاحت کی جاتی ہے۔ خیال کے مختلف اجزاء یا واقعات کی مخصوص ترتیب سے ایک خاص فضا پیدا کی ہے۔ مثالوں سے اپنی بات کی وضاحت کی جاتی ہے، عام فہم اسلوب اور مجموعی طرز استدلال سے کام لیا جاتا ہے۔

تحریر میں قطعیت جامعیت اور وضاحت کی خصوصیات ہوتی ہیں، ارتکاز خیال کی خصوصیت ان تینوں کا احاطہ کرتی ہے اور خیال نیز الفاظ کو بکھیرنے سے بچاتی ہے۔ نثری تحریر کے اسلوب پر موضوع، مواد، ماحول اور مخاطب اثر انداز ہوتے ہیں۔ ادبی اور علمی نثر میں جمالیاتی عناصر کی رنگ آمیزی بھی ہوتی ہے۔“ (۹)

تحریر کی جمالیاتی قدروں اور نثری اسلوب کی فنی حدود کا احساس ہی مفتی

صاحب کی نثر کو مواعظ کی مجموعی فضا سے الگ کر دیتا ہے۔ اس کے پس منظر میں جو شعور کی رو کارفرما ہے وہ اُن کا صحیح علمی مذاق ہے صرف فضائل کا جذبات انگیز بیان نہیں مسائل پر غور و فکر ہے اور وہ بھی تحقیق و تفحص کی روشنی میں۔

مفتی صاحب دبستان دیوبند اور ندوۃ العلماء لکھنؤ کے مابین ایک قدرِ مشترک کی حیثیت سے اُبھرتے ہیں۔ انھوں نے مذہبی مسلک میں چاہے اکابر دیوبند کی پیروی کی ہو لیکن اپنے علمی طریق رسائی اور طرزِ اظہار میں وہ "ندوہ" سے زیادہ قریب نظر آتے ہیں۔ ان کی تحریروں سے کچھ ایسا ہی مترشح ہے کہ انھوں نے علامہ شبلی اور سید سلیمان ندوی کو زیادہ پیش نظر رکھا ہے۔ مکتبہ برہان سے شائع ہونے والی کتابیں، جن کے انتخاب اور جن کے علمی معیار پر فیصلہ میں اُن کی نگاہِ نکتہ رس کو بیش از بیش دخل ہوتا تھا۔ نیز جن پر ان کے پیش لفظ بھی ہیں اس کا ایک ثبوت قرار دی جا سکتی ہیں۔

حالی اور بطور خاص ڈاکٹر اقبال ان کے مطالعہ میں رہے۔ اکثر اپنی تقریروں میں وہ اقبال کا حوالہ بھی دیتے ہیں (یہ بات اُن کے صاحبزادے اور برہان کے مدیر نے اپنی معلومات کی روشنی میں مجھے بتلائی)

(مفتی صاحب کے سوانح و سیرت پر اگر ایک مبسوط و مربوط کتاب شائع ہو جائے تو اُن کی شخصیت، کردار اور علمی طریق رسائی کی فکری نہج اور جہتوں کا کچھ حال معلوم ہو سکتا ہے۔ اس میں ان کے اپنے خطوط بہت معاون ہو سکتے ہیں جنہیں مرتب کر کے شائع کر دینا ایک بڑا علمی کام ہوگا۔)

فخرِ اقران۔ مفتی عتیق الرحمٰن

(حکیم عبدالقوی صاحب (ایڈیٹر صدق جدید دریاباد۔ لکھنؤ)

نامور عالمِ دین۔ دیوبند کے علمی خانوادہ کے گُلِ سرسبد مسلمانوں کے ملّی رہنما خطیب شیوہ بیان۔ اُردو کے نامور علمی و دینی تصنیفی ادارہ "ندوۃ المصنفین" کے بانی اور روحِ رواں۔ جمعیۃ علماء ہند سرکردہ نقیب۔ آلِ انڈیا مسلم مجلس مشاورت کے صدر مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی ۱۲ رمئی ۱۹۸۴ء کو اس جہانِ فانی سے ایک طویل اور ایک کارگزار ملّی رہنما کو صاحبِ فراش بنا دینے والی علالت میں مبتلا رہنے کے بعد، رحلت فرماگئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

نصف صدی سے زائد مدت تک وہ ملّت اسلامیہ ہند اور ملک و وطن کی خدمت انتہائی خلوص و دیانت سے انجام دیتے رہے۔ جمعیۃ علماء ہند سے اُن کا تعلق بہت قدیم تھا اور وہ بجا طور پر جمعیۃ کے اکابرین میں شمار ہوتے تھے۔ علاوہ بریں مسلمانوں کے چھوٹے بڑے نہ معلوم کتنے ملّی و تعلیمی اداروں سے وہ منسلک تھے وطنِ مالوف دیوبند تھا لیکن عرصے سے وہ دہلی کو وطنِ ثانی بنا چکے تھے۔ اور یہی شہر تادمِ آخر اُن کی سرگرمیوں کا مرکز و مستقر بنا رہا۔ اُن کی وفات سے دہلی کے خدا معلوم کتنے ادارے اپنے ایک مخلص سرپرست اور سچے صاحبِ تدبیر مشیر سے محروم ہوگئے۔ حالی کے مرثیہ غالب کا یہ مصرعہ کسی اور پر صادق آئے یا نہ آئے اُن پر حرف بحرف صادق آکر رہا!

= اُس کے مرنے سے مرگئی دہلی =

مرحوم کے والدِ محترم مولانا مفتی عزیز الرحمٰنؒ دارالعلوم دیوبند کے اکابر و اساطین میں سے تھے۔ اُن کی اور دوسرے اکابرِ دیوبند کی نگرانی میں تعلیم و تربیت کے مراحل بدرجۂ امتیاز طے کئے۔ تکمیل کے بعد اسی درسگاہ میں تدریس کے فرائض بحُسن و خوبی انجام دیئے پھر جب دیوبند کے اکابر میں اختلاف کے باعث متعدد نامور اساتذہ و شیوخ جن میں محدث جلیل مولانا محمد انور شاہ کاشمیری علّامہ شبیر احمد عثمانی اور مفتی عزیز الرحمٰن صاحب بھی شامل تھے علیحدگی اختیار کرنے پر مجبور ہوئے اور گجرات کے ایک مقام "ڈابھیل" میں نو قائم شدہ دارالعلوم سے وہ سب مُنسلک ہو گئے تو اُن ہی میں یہ نوجوان اُستاد مفتی عتیق الرحمٰن بھی شامل تھے وہاں مشاغل تدریس کے ساتھ ساتھ فتویٰ نویسی کا کام بھی اُن کے سپرد رہا ہے اور اس سلسلہ میں انہوں نے ایسی شہرت پائی کہ لفظ "مفتی" اُن کے نام کا جُزء بن گیا۔ کچھ عرصہ بعد آپ کا تعلق پھر دارالعلوم دیوبند سے قائم ہوا اور اُس کے مجلس شوریٰ کے اہم رکن کی حیثیت سے آخر دم تک کام کرتے رہے۔ آخر زمانہ میں دارالعلوم دیوبند پہ عارض ہونے والے انتہائی افسوسناک اختلافات کو طے کرنے اور سُلجھانے کی سرگرم کوششیں کرتے رہے لیکن بدقسمتی سے یہ کوششیں کامیاب نہ ہو سکیں۔

دارالعلوم دیوبند کے ساتھ مُلک کے ایک اور مشہور دینی دارالعلوم "ندوۃ العلماء" لکھنؤ کی مجلس انتظامیہ کے بھی وہ تا دم آخر رکن رکین رہے اور اُسکے جلسوں میں پابندی سے شرکت کرنے اور اُسکی کارگزاریوں میں سرگرم حصّہ لینے والوں میں ممتاز رہے۔

احقر کو آخر کے چند سال اُس کے جلسوں میں شرکت کے دوران مفتی صاحبؒ کی ہم نشینی کے ساتھ ساتھ اہم مسائل میں اُن کے قابلِ قدر اور پُر مغز مشوروں کے سُننے کا اتفاق ہوا جس سے میرے دل میں اُن کی قدر و منزلت بہت بڑھ گئی۔
اسی طرح مسلم مجلس مشاورت کے متعدد ہنگامہ خیز جلسوں میں بھی جنکی صدارت مفتی صاحبؒ

فرما رہے تھے شرکت کا اتفاق ہوا۔ ان جلسوں میں مختلف الخیال جوشیلے عناصر پر قابو رکھنے اور جلسوں کی کارروائی کو کامیابی کے ساتھ چلانے میں اُن کے فکر و تدبر کا نقش دل پر جما رہا۔ ملک کی تحریک آزادی میں جمعیۃ علماء ہند کے ایک قائد کی حیثیت سے انہوں نے سرگرم حصّہ لیا۔ جمعیۃ کے سرگرم ناظم عمومی مولانا مولوی حفظ الرحمٰن سیوہاروی کے وہ دست راست تھے۔ آزادی اور تقسیم وطن کے بعد خاص طور پر دارالحکومت (دہلی) اور پنجاب کے مسلمانوں کو جس دورِ ابتلاء سے طویل عرصہ تک گذرنا پڑا اس میں مفتی صاحب نے وہ گرانقدر خدمات انجام دیں جنکو کسی حال میں بھلایا نہیں جا سکتا۔

آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت کے قیام کے بعد اُس کے اولین صدر ڈاکٹر سید محمود اور دوسرے سرکردہ مسلم زعماء کے ساتھ مفتی صاحبؒ نے ملک کے طول و عرض مثلاً ریاستہائے مدھیہ پردیش۔ گجرات۔ مہاراشٹر۔ کیرالا۔ آندھرا۔ کرناٹک۔ اُڑیسہ۔ تامل ناڈو وغیرہ کے دورے کئے۔ اُن علاقوں میں جہاں شدید نوعیت کے فرقہ وارانہ فسادات ہو چکے تھے، ان دوروں کا اور دلوں کو مسخر کرنے والی اثر انگیز تقریروں کا عوام و خواص پر بہت گہرا اور خوشگوار اثر ہوا۔ اور تحریکِ خلافت و ترکِ موالات کے اتحاد پرور زمانہ (۲۰-۱۹۲۱ء) کی یاد تازہ ہوگئی۔

دہلی کا مسلم وقف بورڈ ہو یا دوسرے تعلیمی و ملّی ادارے۔ اسکول۔ کالج درسگاہیں مفتی صاحبؒ کسی نہ کسی حیثیت میں سب ہی سے وابستہ تھے اُن کا بہت کچھ وقت صرف ہوتا تھا۔ اس طرح اس دور کی دہلی میں اُن کی شخصیت لاثانی سمجھی جاتی ہے۔

اپنی دوسری بے شمار سیاسی و ملّی سرگرمیوں کے دوش بدوش وہ اپنی خاموش سنجیدہ اور تعمیری صلاحیتوں کا گہرا نقش "ندوۃ المصنّفین" کی شکل میں چھوڑ گئے جس کے وہ بانی بھی تھے۔ ناظم بھی اور حقیقت میں روحِ رواں بھی۔ یہ ادارہ انہوں نے

اپنے مخلص ترین رفقا اکابر ملت مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی۔ مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی۔ مولانا بدر عالم میرٹھی ثم المدنی رح کے ساتھ ملکر آزادی ملک سے پہلے قائم کیا تھا اُس کا شاندار دفتر پہلے پہل قرولباغ میں قائم ہوا۔ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ۱۹۴۷ء میں دہلی کے قیامت خیز ہنگاموں میں مسلمانوں پر جو قیامت ٹوٹی تھی اُس کی لپیٹ میں آکر ندوۃ المصنفین کا بیشتر ذخیرہ کتب اور دفتری سرمایہ و سامان بالکل برباد ہوگیا حالات انتہائی ہمت شکن تھے اور مکمل بےبسی کا عالم کا، پھر بھی مفتی صاحبؒ نے غیر معمولی صبر و استقامت سے جامع مسجد دہلی کے قریب جگہ حاصل کر کے اِس ادارہ کو اللہ کے بھروسہ پر ایک نئی زندگی سے روشناس کیا۔ بحمداللہ یہ عظیم علمی اور تعمیری ادارہ آجتک قائم ہے اور دین و ملت کی انتہائی رفیع اور گرانقدر خدمات انجام دے رہا ہے۔ مفتی صاحب کی بے مثال انتظامی قابلیت اس ادارہ کی مقبولیت اور اعترافِ قدر و منزلت کا سبب تھی مختلف موضوعات۔ تفسیر۔ حدیث۔ تاریخ اسلام۔ لغت سیاسیات تاریخ ہند۔ تصوّف سوانح وغیرہ پر اِس اِدارہ کی شائع کردہ سوا سو سے زیادہ معیاری کتابیں اندرون و بیرون ملک حسنِ قبول حاصل کرچکی ہیں۔ ان کتابوں میں متعدد وہ بھی ہیں جن کے اڈیشن بار بار شائع ہوئے کتابوں کے علاوہ اس ادارہ کا مؤقر اور صفِ اول کا علمی ماہنامہ بُرہان بھی اپنے ممتاز معیار کے ساتھ پابندی سے شائع ہوتا رہا جس کے شذرات و نظرات نامور اہل قلم مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی لکھا کرتے تھے اور اُن کی کسی سفری مجبوری یا طویل عدم موجودگی کے موقعہ پر خود مفتی صاحبؒ وہ اِدارتی نوٹ تحریر فرماتے تھے۔ کتابوں کی پوری نگرانی کے ساتھ ساتھ رسالہ کی ترتیب اور مضامین کا انتخاب بلکہ تصحیح تک مفتی صاحبؒ بہ نفسِ نفیس فرمایا کرتے تھے

ایک عالم دین کی حیثیت سے اُن کا پایہ بہت بُلند تھا۔ فقہی اُمور میں پوری دستگاہ رکھتے تھے۔ اُن کے تحریر کردہ فتاویٰ سے اُن کے کمالِ تفقہ کا اندازہ کیا جاسکتا ہے

کاش اُن کے تحریر کردہ فتاوی بھی کبھی زیورِ طبع سے آراستہ ہوسکیں تو اُن کی بہترین علمی یادگار ہوگی مفتی صاحب کی تقریر بڑی دلنشین اور سُلجھی ہوئی ہوتی تھی۔ خاکسار کو اپنی نواسی کے تقریب ختم قرآن میں اُن کا دلپذیر وعظ وارشاد سننے کا موقعہ ملا جس سے دل بیحد متاثر ہوا۔ وہ بڑے پختہ اور باحمیت عالم دین تھے۔ اسلام پر ہونے والے ہر حملہ کے دفاع میں پیش پیش رہتے تھے۔ مسلمانوں پر جس رنگ میں بھی آفات و مصائب کا نزول ہوتا، وہ سینہ سپر ہوجاتے تھے دہلی کے مسلمان تو شب و روز اپنے بگڑے ہوئے کاموں کے لئے اُن کا توسل حاصل کرتے ہی تھے بیرون دہلی سے آنے والے بھی ہر گونہ معاملات میں اُن کی مدد حاصل کرتے اور مفتی صاحب کمال خندہ پیشانی سے اپنے کاموں کو روک کر بھی اُن کی مدد اور خدمت میں سرگرداں رہتے۔ افسوس اب ایسی کوئی شخصیت باقی نہیں رہی۔ ذاتی اعتبار سے مفتی صاحبؒ بڑے مجمع صفات تھے۔ بڑے ذی ہوش۔ دوراندیش بااخلاق۔ منکسر مزاج، علمی نخوت اور عالمانہ طمطراق سے بالکل مُبرّا۔ ملنے جُلنے میں بڑے پُرتپاک۔ حد درجہ مہمان نواز۔ دہلی میں اُن کی قیام گاہ پر ہر قسم کے مُلاقاتیوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ گزشتہ تیس سال سے احقر کو اُن کی خدمت میں نیاز حاصل تھا جب بھی دہلی جانا ہوتا اُن کی خدمت میں ضرور حاضر ہوتا اور ہر بار اُن کے حُسنِ اخلاق اور علمی قدر و منزلت کا ایک نیا نقش دل پر لیکر آتا۔ آخری مُلاقات (دفتر بُرہان کے قریب) اُن کے ذاتی مکان میں اس حال میں ہوئی تھی کہ وہ مرض فالج کی تکلیفوں کا مردانہ وار مقابلہ کر رہے تھے۔ میری اطلاع پہونچتے ہی فوراً طلب فرمایا اور دیر تک اُسی انداز سے گفتگو فرماتے رہے جو تندرستی میں اُن کی عادت تھی۔ یہ آخری ملاقات حافظہ کے خزانہ میں ہمیشہ محفوظ رہیگی۔

"ادارہ ندوۃ المصنّفین" کی ساخت و پرداخت میں موحّد مسلمانوں کا یہ نقش تثلیث بھی علمی دنیا کا ایک اعجوبہ ہی سمجھا جاسکتا ہے،

جو سب سے پہلے مولانا حفظ الرحمٰن صاحب۔ پھر مفتی عتیق الرحمٰن صاحب اور آخر میں مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی کی وفات سے خود بخود محو ہو گیا۔

سدا رہے نام اللہ کا

آہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

از مولانا شبیر احمد جذبی کاندھلوی

سرزمینِ علم و دانش میں جلا تھا اک چراغ
روشنی میں جس کی ملتا تھا حقیقت کا سراغ

جس کی کرنوں سے اُجالا تھا جہاں میں ہر طرف
ماتم اس کا آج ہر سو ہو رہا ہے حیف صد حیف

محفلِ ماتم میں، میں بھی اشکبار آیا ہوں آج
دل شکستہ غم کا مارا بیقرار آیا ہوں آج

محفلِ درد و الم میں سوگوار آیا ہوں میں
چند آنسو نذر کرنے کیلئے لایا ہوں میں

درد و غم میں ماتمی ہے انجمن کی انجمن
بجھ گئی افسوس صد افسوس شمعِ علم و فن

پیکرِ اخلاص و تصویرِ صداقت اُٹھ گیا
ساقیِ میخانۂ مہر و محبت اٹھ گیا

اب کوئی امت کا رہبر ہے، نہ ملت کا رفیق
چل دیئے ہم کو اکیلا چھوڑ کر مفتی عتیق

حضرت مفتی صاحبؒ کی یادیں

مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلوی

مہتمم جامعہ رحیمیہ، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

* * *

حضرت مفتی صاحبؒ کے فرزند سعید اپنے والد مرحوم و مغفور کا نمبر نکالنے کے لیے بے تاب تھے، ان کی بے تابی کا ثمرہ یہ نمبر قارئین کے سامنے ہے۔

ان کی بے تابی میں اپنے والد کے لیے بڑی محبت اور خلوص پوشیدہ تھا۔ ایک ایک متعلق سے انھوں نے کئی کئی سو بار، اگر مبالغہ نہ ہو، درخواست کی ہے تب کہیں جاکر یہ نمبر تیار ہوا ہے۔

اصل بات یہ تھی کہ مفتی صاحبؒ پر کون قلم اٹھاتا، انہی لوگوں کا حق تھا، جنھوں نے مرحوم کو شروع سے دیکھا اور مرحوم کی رفاقت کا شرف حاصل کیا۔

آج جو لوگ حیات ہیں ان میں زیادہ تر وہ ہیں جنھوں نے حضرت مرحوم کا صرف آخری دور دیکھا۔

مولانا اکبرآبادی مرحوم جو کچھ لکھ گئے وہ مفتی صاحبؒ کے فضل و کمال کا صحیح تعارف ہے، ہم لوگوں نے مفتی صاحبؒ کا وہ دور دیکھا جب مفتی صاحبؒ مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ کے ایک رفیق کار کے طور پر ۴۷ء کے

قیامت خیز ہنگاموں سے ملت اسلامیہ کی بچی کھچی پونجی کو بچانے کی جدوجہد میں مصروف تھے۔

اس دور کا کوئی ہنگامہ اور کوئی اجتماع ایسا نہ تھا جس میں **مفتی** صاحبؒ نے اپنے تدبر اور پدرانہ شفقت کے اثرات سے ہمارے دل و دماغ کو متاثر نہ کیا ہو۔

مفتی صاحبؒ کا تعلیمی اور تدریسی دور ایک علمی اور روحانی خانوادہ کے شاہ زادے کا دور تھا، وہی چلبلاپن، علمی تفاخر، تنقید و نکتہ چینی، ہنگامہ خیزی جو ایک شاہ زادے اور صاحبزادے کے اندر ہونی چاہیے وہ **مفتی** صاحبؒ کے اندر موجود تھی اور یہ ساری باتیں جب **مفتی** صاحبؒ سے اس آخری دور میں صادر ہوتی تھیں تو مرحوم کے دائیں بائیں بیٹھے ہوئے ان کے رفقاء مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ اور مولانا محمد میاں صاحب ہنس ہنس کر سنتے تھے اور کیف اندوز ہوتے تھے۔

جمعیۃ علماء ہند کے قدیم نظام میں جب انقلاب آیا اور مفتی کفایت اللہ اور مولانا احمد سعید صاحب کی جگہ مولانا حسین احمد مدنی اور مولانا ابوالمحاسن سجاد اور مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کو لایا گیا تو مفتی صاحبؒ بھی اس انقلاب کے رہنماؤں میں شامل تھے۔ یوپی کے مشہور کانگریسی لیڈر مولانا بشیر بھٹہ صاحب اس انقلاب میں سب سے آگے تھے تو اس دور کی باتیں سناتے ہوئے مولانا احمد سعید صاحب فرمایا کرتے تھے کہ مفتی **عتیق الرحمٰن** صاحب کہا کرتے تھے۔

ان چٹکیوں سے ہزاروں فتوے نکل چکے ہیں

مفتی صاحب کا اشارہ اس انقلاب کی شدت کو کم کرنے کی طرف تھا ایک گروہ کو مفتی اعظم کو صدارت سے ہٹانے پر صدمہ اور خفگی ہوگی لیکن جماعت